© rasailojaraid.com

تعارف و تبصرہ:

نقوشِ عظمتِ رفتہ

سفیر اختر *

محمد اسحاق بھٹی (مرتب) ، محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹیٹوٹ ، جناح سٹریٹ، اسلامیہ کالونی سانده، لاہور، سن اشاعت: ۲۰۱۷ ، صفحات ۵۳۶ ، قیمت: درج نہیں۔

بر عظیم پاکستان و ہند کے علماء و مشاہیر اور بالخصوص اہل حدیث مکتب فکر کے زعماء عظام کے بارے میں جتنا کچھ مولانا محمد اسحاق بھٹی (۱۵ مارچ ۱۹۲۵ء– ۲۲ دسمبر ۲۰۱۵ ء) نے لکھا ہے، اس میں کوئی دوسرا ان کا سہیم و حریف نہیں۔ یہی سبب ہے کہ اہل حدیث حلقوں میں انہیں "مورخ اہل حدیث" اور "ذہبی دوراں" جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی طرز کے منفرد تذکرہ نویس اور خاکہ نگار تھے۔ بجا طور پر ان کی تذکرہ نگاری تحقیق و مطالعہ کا موضوع بنی ہے۔ انہوں نے ذاتی تعلقات اور یادداشتوں پر مبنی شخصی مطالعات کے سلسلے کا آغاز" نقوش عظمت رفتہ" کی اشاعت سے کیا تھا (۱۹۹۶)۔ اس کی اشاعتِ ثانی چند ماہ پہلے سامنے آئی ہے (ستمبر ۲۰۱۷)۔ یہ مجموعہ ان ۲۱ رفتگان کے نقوش عظمت اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے: مولانا سیّد داؤد غزنوی (م ۱۹۶۳) ، حافظ محمد گوندلوی (م ۱۹۸۵)، مولانا محمد اسماعیل سلفی (م ۱۹۶۸)، مولانا کرم الٰہی (م ۱۹۴۷)، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (م ۱۹۸۸)، مولانا عبدالقدوس میواتی (م ۱۹۷۸)، مولانا عبدالخالق قدوسی (م ۱۹۷۸)، مولانا عبیداللہ سندھی (م ۱۹۴۴)، مولانا احمد علی لاہوری (م ۱۹۶۲)، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری (م ۱۹۶۱)، خواجہ عبدالوحید (م ۱۹۷۹)، خواجہ عبدالحی فاروقی (م ۱۹۶۵)، سیّد محمد متین ہاشمی (م ۱۹۹۲)، حمید نظامی (م ۱۹۶۲)، سیّد ابوالحسنات قادری (م ۱۹۶۱)، کوثر نیازی (م ۱۹۹۴)، قاضی حبیب الرحمٰن منصور پوری (م ۱۹۵۷)، ذیل سنگھ گیانی (م ۱۹۹۴)، ڈاکٹر محمد ایوب قادری (م ۱۹۸۳)، سحر گل خان (م ۱۹۸۰) اور مولوی شمس الدین (م ۱۹۶۸)۔

مذکورہ افراد میں ایسے بزرگ شامل ہیں جن کے ساتھ مولانا بھٹی کا سالہا سال کا تعلق تھا اور ایسے

* مدیر ششماہی، نقطہ نظر، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد، پاکستان۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ہیں جن کے ساتھ ان کا چنداں شخصی تعلق و واسطہ نہ تھا، مگرانہوں نے مولانا بھٹی کے دل میں اپنے لیے جگہ بنالی تھی، یعنی ان حضرات کے ساتھ محض یاد اللہ تھی، مگران کی ذاتی حیثیت اتنی نمایاں ہے کہ قاری ان کے بارے میں کچھ پڑھنا پسند کریں گے۔

سحر گل خان، بھگت سنگھ کے ساتھی تھے اور ان کی یہی نسبت مولانا بھٹی کو ان کے گاؤں لے گئی، ان سے زندگی میں ایک ہی ملاقات رہی، مگران کی زبانی جو کچھ سنا، اسے مالہ وماعلیہ کے ساتھ قلم بند کیا گیا ہے۔ مولانا بھٹی نے ''عظیم''لوگوں پر قلم اٹھاتے ہوئے اپنی تحریر میں ان کی ''عظمت'' یا انفرادیت کے پہلو کو بالخصوص پیش نظر رکھا ہے۔ اہل قلم کی علمی کاوشوں کو نمایاں کیا ہے، سیاست دانوں کے ساتھ ان کی سیاسی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی ہے ، اور دلچسپ عادات و افکار کے حاملین (مثلاً مولانا قاضی حبیب الرحمٰن منصورپوری) کا نقشۂ سیرت اسی تناظر میں کھینچا ہے۔

کتاب کے ۵۳۵ صفحات میں سے ۱۹۶، یعنی ایک تہائی سے زائد تین بزرگوں مولانا غزنوی، حافظ محمد گوندلوی، محمد اسماعیل سلفی کی یادوں کی نذر ہوئے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۲۴جولائی ۱۹۴۸کو دارالعلوم تقویۃ الاسلام ،(شیش محل روڈ لاہور) میں اہل حدیث زعماء کے ایک اجتماع میں مرکزی جمیعت اہل حدیث مغربی پاکستان کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی جس کی صدارت مولاناسیّد محمد داوٗد غزنوی کو سونپی گئی، اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام ہی میں اس کا دفتر قائم کیا گیا۔ ۸دسمبر ۱۹۴۸یعنی چار ماہ اور دس روز بعد مولانا محمد اسحاق بھٹی کا اس دفتر میں بطور آفس سیکرٹری تقرر ہوا۔ بعد میں وہ مرکزی جمیعت کے ترجمان ہفت روزہ الاعتصا م کی ادارت سے وابستہ ہوگئے۔ ابتداء میں الاعتصام کی اشاعت کچھ دیر کے لیے گوجرانوالہ سے ہوتی رہی، بعد میں اس کا دفتر بھی دارالعلوم تقویۃالاسلام ہی میں آگیا تھا۔ یہیں مولانا غزنوی کی رہائش تھی۔ اس طرح مولانا بھٹی کو ۸ دسمبر ۱۹۴۸سے مولانا غزنوی کی رحلت (۱۶دسمبر ۱۹۶۳) تک پندرہ سال اور آٹھ دن ان کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا۔ انہوں نے مولانا غزنوی کو روزمرہ کی زندگی میں بہت قریب سے دیکھا۔ ان کے مزاج، طور اطوار اور دلچسپیوں سے واقف ہوئے۔ مولانا غزنوی کا اعتماد بھی انہیں حاصل ہوا۔ وہ مختلف مجالس میں انہیں ساتھ لے جاتے تھے، اور بعض اوقات مولانا غزنوی کے جلیل القدر معاصرین تک ان کے پیغام پہنچانے کی ذمہ داری بھی مولانا بھٹی نے انجام دی تھی۔ یوں مولانا بھٹی کے حلقۂ تعارف میں توسیع ہوتی رہی اور انہیں اپنے دور کے بعض بڑے لوگوں کے ساتھ گفت وشنید کرنے اوران کی محبتیں سمیٹنے کا موقع ملا۔

مرحوم مولانا محمد اسحاق بھٹی نے مولانا غزنوی کے بارے میں اپنی یادداشتیں کب کاغذ پر منتقل کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شروع کیں؟ وثوق سے تو کچھ کہنا مشکل ہے، تاہم جب مولانا غزنوی کے صاحبزادے سیّد ابو بکر غزنوی کی مرتبہ کتاب "حضرت مولانا داؤد غزنوی علیہ الرحمۃ" (لاہور: مکتبہ غزنویہ، دسمبر ۱۹۷۴) شائع ہوئی تو دوسری تحریروں کے ساتھ اس میں مولانا بھٹی کی تحریر۔ "حضرت مولانا سیّد داؤد غزنوی" (چند واقعات و تاثرات) بھی شامل تھی۔ اسے پڑھنے سے احساس ہوتا ہے کہ مولانا بھٹی نے جو کچھ لکھا تھا اسے سیّد ابو بکر غزنوی نے من و عن شائع نہ کیا۔

۱۹۷۴ میں لکھی گئی تحریر پر نظر ثانی کی گئی اور اسے نقوش عظمت رفتہ میں شامل کیا گیا۔ تحریر میں بہت کچھ حک و اضافہ کیا گیا ہے۔ بعض واقعات و تاثرات کو غالباً اس لیے حذف کر دیا گیا کہ یہ واقعات انہوں نے اپنی بعض دوسری تحریروں میں بیان کر دیے ہیں، اور جو اضافے کیے ہیں، یہ سب ان کی یادوں اور یادداشتوں کا سرمایہ نہیں، بلکہ بعض مطالعے کا نتیجہ ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے اپنی تحریر میں صحافی میاں محمد شفیع (م۔ش) اور مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی کی تحریروں کے اقتباسات نقل کیے ہیں اور یہ تحریریں سیّد ابو بکر غزنوی کی مرتبہ مذکورہ کتاب میں شامل ہیں۔ اسی طرح بھٹی صاحب نے مولانا غزنوی کی بیاض سے ان کے پسندیدہ اشعار نقل کیے ہیں۔ یہ بیاض سیّد ابو بکر غزنوی کی دسترس میں تھی اور انہوں نے اس کا انتخاب اپنی مذکورہ کتاب میں نقل کیا تھا۔

مولانا بھٹی نے اس بیاض کو ان کے زمانۂ قید کی بیاض قرار دیا ہے، جب ان کی عمر ۳۷ برس تھی (نقوش عظمت رفتہ: ص ۸۳)، کیوں کہ اس میں ایک جگہ "۱۸ مئی ۱۹۳۲ء، نیو سنٹرل جیل ملتان" کی تحریر شامل ہے۔ اصلاً یہ الفاظ شیخ ابراہیم ذوق کے منتخب کلام کے آخر میں درج ہیں۔ یوں پوری بیاض کو زمانۂ قید کی بیاض قرار دینا چنداں درست دکھائی نہیں دیتا، تاہم مکتوبہ تاریخ اور شوخ اشعار کا انتخاب اس بات کی لازماً غمازی کرتا ہے کہ یہ بیاض عہد جوانی میں مرتب ہونے لگی تھی۔

سیّد ابو بکر غزنوی کی مرتبہ کتاب کا حوالہ تو نقوش عظمت رفتہ میں نہیں دیا جا سکا، البتہ انہوں نے بعض دوسرے مختصر اور طویل اقتباسات کے لیے باقاعدہ حوالے نقل کیے ہیں۔ ایک اقتباس کا ذکر یہاں غیر موزوں نہ ہو گا جو تحریک شہید گنج (جون ۱۹۳۵) کے حوالے سے بہت ہی اہم اور چشم کشا ہے۔ اس تحریک کے دنوں میں مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری تھے، اور یہ تحریک ۱۹۳۷ کے ہونے والے انتخابات میں پنجاب میں مجلس احرارِ اسلام کو شکست دینے کی حکمتِ عملی کا ایک حصہ تھی۔ پنجاب کی یونینسٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پارٹی کے بالمقابل مجلس احرار اسلام ایک طاقت تھی، چنانچہ بڑی سوچ بچار کے بعد قضیہ ٔ شہید گنج کو اچھالا گیا جب کہ اس قضیے میں عدالتیں مسلمانوں کے خلاف فیصلے دے چکی تھیں اور ان سابق فیصلوں کے بدلے جانے کا کوئی امکان نہ تھا، مگر حکمت عملی کے مرتبین کے نزدیک مجلس احرارِ اسلام، اگر اپنے مزاج کے مطابق اس مذہبی مسئلے میں عملاً شریک ہو گئی تو امن عامہ کے نام پر اس کی قیادت کے جیل جانے کا راستہ ہموار ہو جائے گا اور بے قیادت، مجلس احرارِ اسلام انتخابات میں کوئی خاص کار کردگی نہ دکھا سکے گی، اور اگر مذہبی نوعیت کے اس مسئلے پر مجلس احرار اسلام نے انتخابات کے پیش نظر خاموشی اختیار کی تو اسے انتخابی مہم میں بدنام کرنے کا موقع مل جائے گا۔ یونینسٹ پارٹی نے جو جال بچھایا تھا، وہ اس میں کامیاب رہی۔ مولانا ظفر علی خان اور پیر جماعت علی شاہ نے شہید گنج کے نام پر جذباتی فضا پیدا کر دی، اور مجلس احرار اسلام سر پر آئے ہوئے انتخابات کے تحت اس سے الگ رہی اور انتخابات میں طے شدہ کارڈ اس کامیابی سے استعمال کیا گیا کہ مجلس احرارِ اسلام چاروں شانے چت ہو گئی۔

تحریک کے دنوں میں ۴ جولائی ۱۹۳۵ کو مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی نے بعض مسلمان رہ نماؤں کی معیت میں سکھ رہ نماؤں سے قضیہ ٔ شہید گنج پر گفتگو کی تھی۔ یہ گفتگو ان کی ڈائری کی شکل میں مجلس احرار اسلام کے ”روز نامہ مجاہد“ (لاہور) کی یکم اکتوبر ۱۹۳۵ کی اشاعت میں چھپی تھی۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی نے اسے یہاں نقل کر دیا ہے (صفحات ۸۷ – ۹۳)۔ تحریک شہید گنج کے نتیجے میں مسجد مسلمانوں کو ملنے کا تو کوئی امکان نہ تھا (اور نہ ملی)، مگر تحریک کے قائدین اس امید پر جانی و مالی قربانیاں دینے کو تیار ہو گئے کہ انہیں ”ایک بہت بڑے مسلمان افسر“ نے کہا تھا کہ حکومتِ وقت مسلمانوں کے احتجاج کے تحت مسجد ان کے حوالے کر دے گی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار-

مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی سے مرحوم محمد اسحاق بھٹی صاحب کے تعلق خاطر کا ہی یہ اظہار تھا کہ ان کی آخری نامکمل تحریر بھی ان کے بارے میں تھی جو وہ سیّد محمد داؤد غزنوی کی ۵۲ ویں برسی (۱۶ دسمبر 2015) کے لیے لکھ رہے تھے، مگر بیماری کے سبب ہسپتال گئے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہ ادھوری تحریر بعد از وفات چھپنے والی ان کی آخری کتاب ”محفلِ دانش منداں“ میں قارئین کی نظر سے گزر چکی ہے۔

مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی کے ساتھ دوسرے بزرگ جن کے بارے میں انہوں نے ایک سے زائد بار قلم اٹھایا، وہ ان کے مشفق استاذِ گرامی مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی شخصیت ہے۔ ان تحریروں کو نظر انداز کرتے ہوئے جن مین ضمناً مولانا بھوجیانی کا ذکر آیا ہے، ایک تحریر ”نقوشِ عظمتِ رفتہ“ میں شامل ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری دو تحریریں مولانا سیّد بھوجیانی کی یاد میں چھپنے والی ہفت روزہ ''الاعتصام''، لاہور، کی اشاعتِ خاص (مارچ ۲۰۰۵) میں شامل ہیں۔ اور یہ دو تحریریں، چند اضافات کے ساتھ اب ''استاذ گرامی مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی'' کے زیر عنوان بصورت کتاب شائع ہو گئی ہیں۔ (لاہور: محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۷ء)۔

مولانا عطاء اللہ بھوجیانی سے بھٹی صاحب کا تعلقِ تلمذ ابتدائی اور متوسط درسیات کا تھا، ۱۹۴۰ میں ان کے حکم سے حافظ محمد گوندلوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی کے حلقۂ درس میں شمولیت کے لیے گوجرانوالہ گئے تھے۔ حافظ محمد گوندلوی خود مولانا بھوجیانی کے بھی استاد تھے۔ گوجرانوالہ میں ان دونوں حضرات سے بھٹی صاحب نے حدیث و تفسیر، منطق و فلسفہ اور عربی ادب کی آخری درجے کی کتابوں کی تحصیل کی۔ استادی شاگردی کے تعلق کے ساتھ مولانا محمد اسماعیل سلفی سے زیادہ قربت مرکزی جمعیت اہل حدیث کے نظم سے پیدا ہوئی۔ وہ مولانا سیّد محمد داوٗد غزنوی کے ساتھ مرکزی جمعیت کے ناظمِ اعلیٰ تھے، اور مولانا غزنوی کی رحلت کے بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث کے صدر ہو گئے تھے۔

مذکورہ چاروں بزرگوں سے بہ لحاظ زمانہ متقدم، اور نسبتاً کم معروف مولوی کرم الٰہی ہیں۔ ان کے بارے میں مولانا محمد اسحاق بھٹی نے مولانا غلام رسول مہر کی تالیف سر گزشت مجاهدین سے ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ سر گزشت مجاهدین سیّد احمد شہید کی بنا کردہ تحریک جہاد و اصلاح کے دورِ آخر کی داستان ہے جب سرحد پار مجاہدین کی باقیات کی گزر بسر برطانوی ہندوستان سے بھیجی جانے والی رقم پر تھی، اور ان مجاہدین کے ہمدرد یہ خدمت پوری رازداری کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ مولانا مہر کے الفاظ ہیں: ''مولوی (کرم الٰہی) ان خاموش کارکنوں سے تھے جن کی مثالیں ہمارے عہد میں کم رہ گئی ہیں۔ اصل وطن قادر والا، تحصیل زیرہ، ضلع فیروز پور تھا۔۔۔ مدت تک گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ میں عربی کے ٹیچر رہے۔۔۔ تنخواہ میں سے تھوڑی سی رقم اپنے گزارے کے لیے رکھ لیتے، باقی مجاہدین کو بھجوا دیتے تھے (ص ۲۱۱)۔'' نقوشِ عظمتِ رفتہ میں مولوی کرم الٰہی کے بارے میں مندرج بعض معلومات کا ماخذ ان کے حالات میں لکھی گئی کتاب یادوں کے چراغ ہے۔

حلقۂ اہل حدیث کے مولانا عبدالقدوس میواتی کے اخلاص و محبت اور انداز تبلیغ و اشاعت دین نے مولانا بھٹی کو بہت متاثر کیا، اور ان کی تعلیم و تعلّم کی تفصیلات کے ساتھ محض چھ صفحات میں ان کی شخصیت کے بنیادی خصائص نمایاں کر دیے ہیں۔ مولانا بھٹی کے الفاظ میں: '' ان کا زاویۂ فکر یہ تھا کہ اسلام کی اشاعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان سے بھی میٹھے الفاظ میں کرنی چاہیے اور تحریر میں بھی ہاتھ نرم رکھنا چاہیے۔ جو شخص میٹھے بول سے آشنا نہیں اور نرم لہجے میں بات کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتا، وہ بڑا ہی کم زور ہو سکتا ہے، کامیاب مبلغ نہیں ہو سکتا۔" (ص ۲۵۳)

مولانا میواتی " فقہیات میں مسلک اہل حدیث کے حامل تھے اور عمر بھر اسی کی تبلیغ کو [انہوں نے] اپنا مطمح نظر ٹھہرائے رکھا، لیکن ان کا انداز تبلیغ منفی نہیں تھا، مثبت تھا، یعنی وہ کسی کے مسلک فقہی پر اس انداز سے تنقید نہیں کرتے تھے کہ اس کے جذبات مجروح ہوں اور وہ ذہنی اذیت میں مبتلا ہو۔ (ص ۲۵۵)

مولانا عبدالخالق قدوسی عمر میں ان سے چھوٹے تھے اور ۱۹۲۶ میں ان کے حلقۂ تعارف میں آئے تھے۔ دونوں کے درمیان ۱۹ سال کا تعلق رہا۔ مولانا بھٹی ان کے بارے میں جو کچھ جانتے تھے، اسے تو انہوں نے اپنی یادداشتوں کے حوالے سے درج کیا ہے اور باقی معلومات کے لیے ان کے ذاتی کاغذات پر انحصار کیا ہے، خوش قسمتی سے جن تک انہیں رسائی حاصل تھی۔ مولانا قدوسی نے مختلف مدارس سے استفادہ کیا، مگر وہ جامعہ سلفیہ کے پہلے سال کے طلبہ میں شامل تھے، درمیان میں انہوں نے دوسرے مدارس میں علم کی پیاس بجھائی، مگر سندِ فضیلت جامعہ سلفیہ ہی سے حاصل کی۔ ان کے شعری ذوق، کتاب دوستی اور علمی منصوبوں کے بارے میں تفصیل فراہم کی گئی ہے، اور ان کے بعض منصوبے تو آج بھی اصحاب قلم کو دعوتِ غور وفکر دے رہے ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھی کو بھٹی صاحب نے حجاز سے وطن واپس پر ۱۹۳۹ میں پہلی بار فتوحی والا (ضلع قصور) میں دیکھا اور ان کی باتیں سنیں، دوبارہ لاہور میں ۱۹۴۲ میں ان کی زیارت کی۔ ان ہی دو زیارتوں کی یادیں پیش کی گئی ہیں۔ مزید معلومات وہی ہیں جو ان کے بارے میں کتابوں میں دستیاب ہیں، البتہ بھٹی صاحب، مولانا سندھی کے شاگرد پروفیسر محمد سرور جامعی کی کتاب "افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی" کے بارے میں بعض دیوبندی اہل قلم کی رائے کا ذکر کرتے ہیں کہ "خود سرور صاحب نے اپنے افکار مولانا سندھی کے نام سے بیان کیے ہیں (ص ۳۰۲)۔"

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لاہور کے بعض اہل علم سے واقف تو تھے، مگر ان سے قربت اور ملاقات/ ملاقاتوں کا باعث مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی بنے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت (۱۹۵۳) کے دوران میں ایک مجلس عمل بنائی گئی تھی جس کے سربراہ مولانا سیّد ابوالحسنات قادری اور ناظم اعلیٰ مولانا غزنوی تھے۔ مجلس عمل کی جو نشستیں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے دفتر میں ہوئیں، ان میں مولانا بھٹی کو بھی شرکت کا موقع ملا۔ انہوں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ مجلس عمل کے ارکان مولانا ابوالحسنات قادری، مولانا محمد علی جالندھری، سیّد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے حضرات بوقت نماز فقہی اختلافِ نظر کے باوجود اکٹھے فریضۂ خداوندی ادا کرتے، ان کے الفاظ ہیں: ''مولانا داؤد غزنوی اور سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری اصرار کرتے تھے کہ مولانا ابوالحسنات نماز پڑھائیں اور مولانا ابوالحسنات مصر ہوتے تھے کہ مولانا داؤد غزنوی فریضۂ امامت سرانجام دیں۔ عام طور پر مولانا ابوالحسنات کی اقتداء میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ (ص ۴۰۸)۔

مولانا بھٹی ایک بار مولانا داؤد غزنوی کے فرستادے کے طور پر ان کے ہاں گئے تو وہ بیماری کے باعث لیٹے ہوئے تھے۔ بہت کمزور ہو چکے تھے، اور اس کے اثرات آواز میں بھی تھے مگر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اس اکرامِ ضیف میں انہیں کھانسی کا شدید دورہ پڑا اور وہ کھانستے کھانستے نڈھال ہو گئے تھے۔ مولانا بھٹی نے جب واپس جا کر ان کے حسنِ سلوک کا ذکر مولانا غزنوی سے کیا تو وہ آب دیدہ ہو گئے اور فرمایا مولانا ابوالحسنات کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نواز ہے۔'' (ص ۴۱۱)۔

ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے زمانۂ ادارت میں مولانا بھٹی کو مولانا احمد علی لاہوری کی خدمت میں حاضر ہونے کے متعدد مواقع ملے۔ بعض اوقات مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی کے ہمراہ، اور بارہا تنہا بھی۔ مولانا احمد علی نے ایک مرتبہ اپنی مجلسِ ذکر میں کشف قبور کے سلسلے میں اپنے کچھ مشاہدات بیان کیے، اس پر مولانا بھٹی نے ''الاعتصام'' میں ایک شذرہ لکھ دیا۔ مولانا غزنوی نے شذرہ پڑھنے کے بعد جناب بھٹی صاحب سے کہا: آپ یہ فرمایئے "اگر مولانا احمد علی صاحب اتنے نیک ہو جائیں کہ انہیں کشفِ قبور ہونے لگے تو آپ کو کیا اعتراض ہے (ص ۳۱۲)۔ حقیقت واقعہ یہ تھی کہ '' مولانا احمد علی اور مولانا سیّد داؤد غزنوی کے باہمی تعلقات بڑے پرانے اور گہرے تھے۔ دونوں بزرگ ایک دوسرے کی انتہائی تکریم کرتے تھے۔۔۔ مولانا غزنوی برداشت نہ کرتے تھے کہ مولانا احمد علی کے خلاف کوئی لفظ بھی لکھا جائے (ص ۳۱۱)۔"

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمہ کو بھی قریب سے مولانا بھٹیؒ نے سیّد محمد داؤد غزنوی کی معیّت میں مارچ ۱۹۵۳ میں اس وقت دیکھا، اور ان کی باتیں سنیں، جب آخر الذکر تحریک ختم نبوت کے زمانے میں سنٹرل جیل لاہور میں ان سے ملاقات کے لیے گئے تھے۔ بعد میں مولانا بھٹی، سیّد محمد داؤد غزنوی کے نمایندے کی حیثیت سے سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری سے ملے۔ اس موقع پر انہوں نے ماضی کو آواز دیتے ہوئے سیّد داؤد غزنوی کے ساتھ اپنے تعلق پر جو روشنی ڈالی، مولانا بھٹی نے اسے یوں ریکارڈ کیا ہے:

میں امرتسر کی ایک مسجد میں بیٹھا زندگی کے دن گزار رہا تھا اور اپنے تھوڑے سے علم کے مطابق وعظ و نصیحت کی خدمات انجام دے رہا تھا کہ ۱۹۱۹ میں تحریکِ خلافت شروع ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئی۔ داؤد غزنوی مجھے جانتے تھے اور میرے طریقِ وعظ کا انہیں علم تھا۔ میں نہایت سادگی سے رہتا اور کھدر کا نیلے رنگ کا تہبند باندھتا تھا۔ ان کا گھرانا فضل و کمال اور تصوف و طریقت کا گھرانا تھا جس کے فیوض و برکات کا دائرہ سارے پنجاب پر محیط تھا۔ ان سے ملاقات ہوتی تو نہایت مہربانی کا اظہار کرتے، میں بھی جھک کر سلام کرتا، ان کی جوانی کا زمانہ تھا، میں بھی جوان تھا، لیکن ان کا شمار اس دور کی مجلس خلافت کے قائدین میں ہوتا تھا اور میں گوشہ نشین امام مسجد، ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا، کیوں مسجد میں بیٹھے اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہے ہو۔ اٹھو میدان عمل میں نکلو، ملک و قوم کو تمہاری ضرورت ہے۔ میں ان کے کہنے سے مسجد کی چار دیواری سے باہر نکلا اور تحریک خلافت میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ (صفحات ۳۳۴ ـ ۳۳۵)

مولانا بھٹی نے اپنے دور کے بے مثال خطیب کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے:

شاہ جی۔۔۔ قرآن مجید پڑھتے تو معلوم ہوتا کہ قراءت و تجوید کے تمام لوازم کے ساتھ لحن داؤدی سے سرفراز کر دیئے گئے ہیں۔ اردو بولتے تو شبہ پڑتا کہ غالب، ذوق اور داغ کی شاعری کو چھوڑ کر خطابت اختیار کر لی ہے۔ پنجابی میں بات کرتے تو محسوس ہوتا کہ راوی اور چناب نے اپنی روانیاں انہیں بخش دی ہیں۔ (ص ۳۳۶)

مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگرد، ان کے مکتب تفسیر کے ایک مفسر قرآن اور اسلامیہ کالج لاہور کے استاد مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی سے مولانا بھٹی کو نیاز مندی کا شرف حاصل تھا اور یہ ربط ضبط پندرہ برس کے عرصے پر محیط رہا، مگر انہوں نے "خواجہ صاحب کے ماضی کو کریدنے کی [کبھی] کوشش نہ کی، اور نہ ان کے بیتے ہوئے دنوں سے آگاہی حاصل کرنے کی طرف ان کا دھیان گیا (ص ۳۷۸)، تاہم خواجہ صاحب کے دوست اور ایک دور کے رفیق کار مولانا محی الدین احمد قصوری، مولانا بھٹی کے ملنے والے تھے، اور غالباً ان سے خواجہ صاحب کے بارے میں انہوں نے بہت کچھ سنا، نیز دوران مطالعہ میں جو معلومات سامنے آئیں، یا چند باتیں جو کبھی خواجہ صاحب نے خود بر سبیلِ تذکرہ بیان کر دی تھیں، بھٹی صاحب نے ان کی یاد میں یک جا کر دی ہیں۔

مولانا بھٹی نے خواجہ عبدالحی فاروقی کے بارے میں اس رپورٹ سے بھی استفادہ کیا ہے جسے مولانا محمد میاں نے "تحریک شیخ الہند" (لاہور: مکتبہ رشیدیہ) کے نام سے مرتب کر دیا تھا۔ اس رپورٹ میں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوآبادیاتی دور کے مخبروں کی غلط سلط اطلاعات پر مبنی ہے، خواجہ عبدالحی کے والد ماجد کا نام خواجہ عبدالرحیم درج کیا گیا ہے، حالانکہ درست نام خواجہ عبدالرحمٰن تھا۔

خواجہ صاحب اپنی خواہش کے باوجود تفسیر قرآن تو مکمل نہ کر سکے تھے ، البتہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں اور پارہ عم کی تفسیر جو وقتاً فوقتاً الگ الگ ناموں سے لکھی گئی، پہلے جامعہ ملیہ۔ دہلی اور بعد ازاں قومی کتب خانہ ، لاہور سے شائع ہوتی رہی ہے۔ مولانا بھٹی نے جو فہرستِ تفاسیر دی ہے (ص ۳۷۷) ، یہ نظر ثانی کی محتاج ہے۔

خواجہ عبدالوحید ، مولانا سیّد متین ہاشمی، ڈاکٹر محمد ایوب قادری اور مولوی شمس الدین کے بارے میں تحریریں ان کے ذاتی کوائف ناموں کی شکل اختیار کر گئی ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان حضرات کو مولانا بھٹی نے زیادہ تر دور ہی سے دیکھا ہے، خواجہ عبدالوحید کو محض دیکھنے اور ان کی باتیں سننے کا موقع، مولانا بھٹی کو صرف تین بار ہی، اور وہ بھی محدود وقت کے لیے میسر آیا تھا، مگر اس محدود دید و شنید سے قطع نظر مولانا بھٹی نے ان کے خانوادے اور ان کے ذاتی کوائفِ حیات، نیز ان کے علمی کاموں کے تعارف کی بھرپور سعی کی ہے اور اپنے بقول : ان کی خدمات بو قلموں کے چند گوشوں کو اجاگر کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے (ص ۳۶۲)۔

سیّد محمد متین ہاشمی کے بارے میں تحریر بھی ایسی ہی کاوش ہے۔ ذاتی حوالے سے جو دو تین صفحات ہیں ان میں ہاشمی صاحب کی شخصی خوبیوں اور آلام و مصائب کا تذکرہ ہے۔ مولانا بھٹی نے مولانا ابوالکلام آزاد سے ان کی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے جو غالباً ہاشمی صاحب نے مولانا بھٹی کی آزاد پسندی کے تحت از خود بیان کی تھیں ، یا ان کے دریافت کرنے پر تفصیل فراہم کی تھی۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری صاحب سے ان کا تعلق اولاً وطن عزیز کے ایک قلم کار کے حوالے سے تھا، وہ پھر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے ماہنامہ المعارف کے مدیر کی حیثیت سے۔ قادری صاحب نے ۱۹۷۸ میں ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی تو مولانا بھٹی کو انہوں نے اطلاعاً لکھا:

> آپ کو یہ معلوم کر کے مسرت ہو گی کہ پچھلے ماہ کراچی یونیورسٹی نے مجھے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری مرحمت کی ہے۔ میری تحقیق کا موضوع تھا: اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ (شمالی ہند میں ۱۸۵۷ تک)۔
>
> اگر مناسب ہو تو اس کے متعلق چند سطریں، رسالے میں لکھ دیں۔

بعد میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے تحقیقی مقالے کے چند صفحات مولانا بھٹی کو اس غرض سے بھیجے کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک تو اسلوبِ تحقیق اور انداز تحریر دیکھ لیں، نیز اگر اس کی اشاعت، ادارہ ثقافت اسلامیہ کی جانب سے ممکن ہو تو کوئی اقدام کیا جائے۔ بعد میں انہوں نے از خود مقالے کا مسودہ بھی بھیج دیا۔ مولانا بھٹی کے توسط سے ادارے نے اس کی اشاعت کا فیصلہ کر لیا اور مولانا بھٹی ہی کو اسے مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ کتاب شائع ہو گئی، مگر صاحبِ کتاب ۱۹۸۳ میں ایک ٹریفک حادثے میں انتقال کر گئے تھے۔

مولانا بھٹی نے "اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ" (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۸) کے مرتب کی حیثیت سے کتاب کا دیباچہ لکھا، اور کتاب و صاحبِ کتاب کے بارے میں بنیادی معلومات پیش کیں۔ اسی مختصر تحریر کو مزید اضافات، بالخصوص ان کے غیر مطبوعہ مکتوبات کی شمولیت کے ساتھ نقوش عظمت رفتہ میں شامل کیا گیا ہے۔

اہلِ صحافت کی دنیا میں سے حمید نظامی اور کوثر نیازی کو عظمت رفتہ کے اظہار کے لیے چنا گیا ہے، اور دونوں تحریروں میں جماعت اسلامی اور اس کے بعض کارکنوں کا تذکرہ ہے، ممدوحین تو تعریف و تحسین کے مستحق سمجھے گئے، مگر جماعت اسلامی کے نظریے، اس کے بانی اور کارکنوں کی خوب چٹکیاں لی گئی ہیں، مرحوم حمید نظامی بھی، ۱۹۵۰ کی دہائی میں جماعتِ اسلامی کے ناقدین میں شامل تھے، اور ہفت روزہ الاعتصام کے کارپرداز بھی جماعت اسلامی اور بانی جماعت کے ایک حد تک ناقد ہی تھے۔ اس حوالے سے حمید نظامی سے متعلق تحریر میں جماعت کا ذکر آ جانا چنداں تعجب انگیز نہیں، مگر جہاں سیّد مودودی کا ذکر مثبت انداز یا غیر جانبدارانہ انداز میں کیا جا سکتا تھا، اسے بھی نظر انداز کرنا ہی مناسب خیال کیا گیا۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ حمید نظامی کی نماز جنازہ سیّد مودودی نے پڑھائی تھی، مگر قاری کو صرف یہ اطلاع ہی ملتی ہے: "ان کی نماز جنازہ یونیورسٹی گراؤنڈ میں پڑھی گئی۔ جس میں ہر حلقے کے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔" (ص ۴۰۶)

کتاب کی ایک اہم تحریر آزاد ہندوستان کے صدر ذیل سنگھ گیانی (۱۹۸۲ تا ۲۲ جولائی ۱۹۸۷) کے بارے میں ہے جو مولانا بھٹی کے بچپن کے دوست تھے۔ "دوستی کا نہ کوئی حدود اربعہ اور جغرافیہ ہے، نہ یہ مذہب اور مسلک کی پابند ہے، نہ کسی ملک اور شہر تک محدود ہے اور نہ کسی منصب اور عہدے کی طالب ہے۔ بس دل کے لگ جانے کے ڈھب کچھ اور ہیں۔" (ص ۴۵۲)۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد جب نو آبادیاتی طاقتیں کمزور پڑ چکی تھیں، اور غلام اقوام کے لیے آزادی کی منزل قریب آ گئی تھی۔ برعظیم کی دیسی ریاستوں اور راج واڑوں میں عام رعایا کی حیثیت غلام درغلام کی تھی۔ سکھ ریاست فرید کوٹ کے باسیوں نے بھی اس فضا میں آزادی کے خواب دیکھے۔ ذیل سنگھ اور مولانا اسحاق بھٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں "ریاستی پرجامنڈل" کے فعال کارکن تھے۔ اس کی سرگرمیوں کے تحت جیل بھی گئے۔ پرجامنڈل ہی کے ضمن میں ریاست فرید کوٹ میں مسلمانوں اور ان کی دینی سرگرمیوں کا بھی ذکر آگیا ہے۔ ذیل سنگھ گیانی کے بارے میں مضمون میں مولانا بھٹی کی اپنی زندگی کے شام وسحر بھی ساتھ ساتھ چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے دوست، جو سکھ مذہب کا مذہبی رہ نما (گیانی) تھا، کے خیالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

کہنے کو تو "نقوشِ عظمتِ رفتہ" میں ۲۱ رفتگان کا تذکرہ ہے، مگر ضمناً اس میں متعدد دوسری شخصیات کا ذکر آگیا ہے اور ان کے بارے میں مولانا بھٹی کے مختصر تاثرات بھی۔ ایسے ہی چند تاثرات دیکھیے:

- ایک موقع پر مولانا سعید احمد اکبر آبادی فرمارہے تھے کہ "ہر بات الفاظ کے ظاہری معنوں میں نہیں لی جاتی۔ اردو کے ایک شعر کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس میں دوست سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے کہ تم نے میرے پاؤں میں زنجیر ڈال دی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے لوہے کی زنجیر مراد نہیں ہے، بلکہ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ محبوب نے محبت کی زنجیر میں جکڑ لیا ہے۔ (صفحات ۲۷۱ ـ ۲۷۲)
- عبدالقادر بیدل پر دادِ تحقیق دینے والے ڈاکٹر عبدالغنی (جن کی سوانح عمری چند برس پہلے ان کے صاحبزادے نے لکھی اور شائع کی ہے) کے بارے میں لکھا گیا: "ڈاکٹر عبدالغنی مرحوم نہایت شریف النفس اہل علم تھے۔ میرے گھر سے تھوڑے فاصلے پر سانده میں سکونت پذیر تھے۔ بعض دفعہ اپنے مطلب کی کتابیں وہ مجھ سے مستعار لیتے اور واپس کرتے وقت اس انداز سے شکریہ ادا کرتے کہ مجھے شرم آنے لگتی۔" (ص ۳۶۰)
- مولانا بھٹی کی روایت ہے کہ "خواجہ [عبدالوحید] صاحب مرحوم پر سب سے پہلے تفصیلی مضمون عبداللہ ملک نے لکھا تھا جو تقسیم ملک سے کچھ عرصہ بعد امروز میں چھپا تھا۔۔۔ عبداللہ ملک کے بارے میں بھی سب سے پہلے خواجہ صاحب ہی نے لکھا تھا۔ یہ ۱۹۴۰ کے پس وپیش کی بات ہے، جب ملک صاحب کی کتاب سرمایہ داری چھپی تھی۔ خواجہ صاحب نے ازراہ کرم سرمایہ داری کے سلسلے میں ملک صاحب کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ (ص ۳۶۳)

شخصیات نگاری میں یادداشتوں اور حافظے پر انحصار کیا جاتا ہے، اور کبھی کبھی سہو قلم بھی ہو جاتا ہے۔ نقوش کی ورق گردانی کرتے ہوئے ایسے متعدد مقامات سامنے آئے جہاں بیانات اور روایات سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ چند مثالیں دیکھیے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

- مرحوم بھٹی صاحب کے الفاظ میں: مولانا [عبیداللہ] سندھی کی تصنیفات کے سلسلے میں بھی کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا۔ مارچ ۱۹۸۴ میں ۔۔۔ حافظ عبدالرشید ارشد (مکتبہ رشیدیہ ۔ لاہور) نے ایک صاحب سے تعارف کرایا کہ ان کا اسم گرامی ڈاکٹر محمد امین مغل ہے اور انہوں نے مولانا سندھی کی تفسیر سورۃ البقرۃ پر انگریزی میں پی ایچ ۔ ڈی کیا ہے۔

میرے خیال میں مولانا کی تحریری خدمات پر اب تک صرف یہی کام ہوا ہے۔۔۔۔" (ص ۳۰۲)

پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا سندھی کی تفسیر پر کام کرنے والے محقق کا نام ڈاکٹر محمد منیر مغل ہے، محمد امین مغل نہیں، ان کی تفسیر پر چند دوسرے افراد نے بھی سندی مقالات لکھے ہیں۔

- ایک دوسرے مقام پر مولانا سندھی کو مولانا احمد علی کا چچا لکھ دیا گیا ہے۔ (ص ۳۵۶)
- خواجہ عبدالوحید کے بارے میں ان کے ایک صاحبزادے خواجہ عبدالقیوم کی مطبوعہ تحریر نقل کی گئی ہے (صفحات ۳۶۷ ـــ ۳۷۰) ۔ اس میں لکھا گیا ہے:

علامہ [اقبال] مرحوم نے سیکڑوں خطوط خواجہ صاحب کو لکھے جو انہوں نے حفاظت سے رکھے ہوئے تھے۔ ان میں چند خطوط ایسے بھی تھے جن میں ذاتی باتیں تھیں، لیکن اکثریت ایسے خطوط کی تھی جن میں مسلمانوں اور اسلام کے موضوع پر بات کی گئی تھی ۔ چند خطوط علامہ مرحوم کے میں نے ایسے ہی دیکھے ہیں جن میں نثر میں نہیں، بلکہ شعروں میں گفتگو کی گئی ہے۔" (ص ۳۶۹)

حیرت ہے کہ خواجہ صاحب کے صاحبزادے مشفق خواجہ نے جو اپنے بھائی کی نسبت قلم و قرطاس سے زیادہ قریب تھے، اپنے والد گرامی اور اقبال پر لکھتے ہوئے ان خطوط کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

- بتایا گیا ہے: انہوں [مولانا محمد الیاس] نے دہلی میں "شیخ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ" کو مرکز بنایا اور میوات کے علاقے میں تبلیغی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔" (ص ۲۵۱)

بلاشبہ مولانا محمد الیاس نے میوات میں تبلیغی کام کا آغاز کیا، مگر انہوں نے شیخ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کو نہیں، بلکہ اس نواح کی آبادی میں ایک مسجد کو مرکز بنا کر کام شروع کیا تھا۔

- مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی کے احوال میں لکھا ہے کہ " ٹنڈو آدم (سندھ) کے ایک دارالعلوم میں ایوب خان کی مولانا سے ملاقات ہوئی تھی" (ص ۵۸) ۔ یہ ملاقات غالباً دارالعلوم الاسلامیہ ۔ ٹنڈوالہ یار میں ہوئی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

- سیّد محمد متین ہاشمی کی تصنیفات میں ایک کتاب ''اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ'' کو دو بار شمار کر لیا گیا ہے (ص ۳۸۶) اور دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری۔ لاہور کی فہرستِ مخطوطات کی سات شائع شدہ جلدوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم، فہرست سات جلدوں میں مرتب ہوئی تھی یا نہیں؟ مگر فہرست مخطوطات کی مطبوعہ جلدوں کی تعداد صرف چار ہے، نیز یہ فہرست انہوں نے اپنے رفقاء حافظ سعد اللہ اور غلام حسین کے تعاون سے تیار کی تھی۔
- سیّد ابو بکر غزنوی کی رحلت کے ذکر میں لکھا گیا ہے کہ وہ ''اسلامی تبلیغی سلسلے میں ایک سرکاری وفد کے ساتھ لندن گئے'' (ص ۵۲۸)۔ وہ Islamic Festival میں شرکت کے لیے لندن تشریف لے گئے تھے، یہ کوئی تبلیغی پروجیکٹ نہ تھا، بلکہ مستشرقین کی جانب سے اسلام کے تعارف کی ایک کوشش تھی۔
- ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کو سول سروس سے متعلق بتایا گیا ہے (ص ۵۳۲)، مگر ان کی نمایاں پہچان تو ماہر تعلیم ولغت اور مورخ کی ہے۔ اسی طرح مولوی ظفر اقبال کے تعارف میں انہیں ''یونیورسٹی اورینٹل کالج کے شعبۂ عربی کے سابق پروفیسر، (ص ۵۲۷) کے طور پر پیش کیا گیا ہے، وہ یونیورسٹی سے منسلک ضرور رہے، مگر پروفیسر کے طور پر نہیں!
- بعض افراد جن کے نام درست طور پر نہ لکھے جا سکے، ان میں پنجاب کے ایک وزیر عبدالحمید دستی (ص ۶۴)، حکیم محمد حسن قرشی (ص ۹۸)، معروف صوفی بزرگ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی (ص ۴۰۹) (فضل رحمٰن تاریخی نام) ہے، اسے اکثر فضل الرحمٰن لکھ دیا جاتا ہے)، الطاف حسن قریشی اور اعجاز حسن قریشی (ص ۴۲۹) اور حافظ احمد یار (ص ۵۴۳) شامل ہیں۔

ایک جگہ ''حیاتِ شبلی'' کو ''سیرتِ شبلی'' لکھ دیا گیا (ص ۱۰۶) اور مولانا محمد اسماعیل سلفی کے ناشر مولانا منیر احمد مرحوم کے ادارے کو اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور کی جگہ اسلامک پبلی کیشنز کے طور پر درج کر دیا گیا ہے۔ (صفحات ۱۹۷— ۱۹۸)۔

کتابت کی اغلاط بھی موجود ہیں، اور یہ اغلاط اکثر کتابوں کے عربی ناموں اور فارسی اشعار میں ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیے صفحہ ۳۲۳، جہاں ''کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست'' کو چیستاں بنا دیا گیا ہے۔

کتاب سفید کاغذ پر بڑے سائز میں مجلد شائع کی گئی ہے، اور رواں طباعتی معیار کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com